بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر نیکی اور بدی کے پہچاننے کی قابلیت اور نیکی کے اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کی خواہش ودیعت کردی ہے۔ اس پہلو سے انسان ایک اعلیٰ خلقت اور بلند فطرت لے کر دنیا میں آیا ہے اور اس بات کا اہل ہے کہ اپنی سمجھ سے نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کرکے اللہ تعالیٰ کے یہاں انعام کا مستحق ہو اور اگر اپنی فطرت کے خلاف خیر کی جگہ شر کا راستہ اختیار کرے تو فاطر کی طرف سے اپنی اس خلاف فطرت روش پر سزا پائے لیکن جہاں اس کی فطرت میں یہ پہلو خوبی اور کمال کا ہے وہیں بعض اعتبارات سے اس میں خلا بھی ہے۔[1] اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نہ دنیا میں انسان کی ہدایت و ضلالت کے معاملہ کو تنہا اس کی فطرت پر چھوڑا نہ آخرت میں اس کو جزا و سزا دینے کے لیے اس فطری رہنمائی کو کافی قرار دیا بلکہ فطرت کے مقتضیات آشکارا کرنے اور خلق پر اپنی حجت تمام کرنے کے لیے اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا تاکہ قیامت کے دن لوگ یہ عذر نہ کرسکیں کہ ان کو نیکی اور سچائی کا راستہ معلوم نہیں تھا اس وجہ سے وہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا	اور ہم نے بھیجے اپنے رسول خوش خبری دیتے ہوئے اور
یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ	ہوشیار کرتے ہوئے تاکہ لوگوں کے پاس، ان رسولوں کے بعد، اللہ کے
وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا (۱۶۵ - نساء)	خلاف کوئی دلیل نہ باقی رہ جائے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے
یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا	اے اہل کتاب، انبیاء کے ایک وقفہ کے بعد، ہمارا رسول
یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا	تمہارے پاس دین حق کو واضح کرتا ہوا آگیا ہے تاکہ تم (قیامت کے
مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَکُمْ	دن) یہ عذر نہ کرسکو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور

[1] انسانی فطرت کے اندر جو خلا چھوڑا گیا ہے اور جس کی وجہ سے انسان انبیاء کی بے خطا رہنمائی کا محتاج ہوا اس پر ہم نے مفصل بحث اپنی کتاب "حقیقت رسالت" میں کی ہے جو ابھی شائع نہیں ہوئی ہے۔ یہاں اس بحث میں پڑنے کا موقع نہیں ہے۔
(امین احسن)

بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڈرانے والا نہیں آیا، (دیکھو) ایک خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خلق کو نیکی کا راستہ بتانے اور گمراہی سے بچانے اور لوگوں پر اپنی حجت پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے ہادی اور رسول بھیجے۔ اور محض اس لیے کہ لوگوں پر حق پوری طرح آشکارا ہو جائے اور کجروی اور گمراہی پر باقی رہنے کے لیے لوگوں کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے، انبیاء کے بارہ میں سنۃ اللہ یہ رہی ہے کہ وہ سب کے سب بلا استثناء انسانوں میں سے آئے، فرشتوں یا جنوں میں سے نہیں آئے۔ تاکہ انسانوں پر انسانی فطرت کے مقتضیات انسانوں کے ذریعہ سے واضح ہوں اور لوگوں کے لیے یہ کہنے کا موقع باقی نہ رہے کہ انسان کے لیے کسی غیر انسان کا علم و عمل کیسے نمونہ کا کام دے سکتا ہے؟ اسی طرح بعض مستثنیٰ مثالوں کے سوا ہر قوم کے اندر، اللہ تعالیٰ نے اسی قوم کے اندر سے رسول بھیجے تاکہ قومی اجنبیت لوگوں کے لیے قبول حق میں مانع نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس ہر قوم کے لوگوں پر اللہ کے رسولوں نے انہی کی زبان میں حق کی تبلیغ کی تاکہ لوگوں پر حق اچھی طرح واضح ہو سکے اور وہ زبان بھی ایسی صاف ستھری استعمال کی جو ایچ پیچ سے بالکل پاک اور سب کے فہم سے قریب تر اور دلنشین تھی۔ پھر اللہ کے ان رسولوں نے یہ نہیں کیا کہ لوگوں کو ایک مرتبہ حق کی دعوت دے کر چھوڑ دیا ہو بلکہ اپنی زندگیاں اس مقصد میں لگا دیں اور جن باتوں کی دعوت دی ان باتوں کو خود بھی کر کے دکھا دیا اور ان کے ساتھیوں نے بھی اپنی عملی زندگی میں ان باتوں کا مظاہرہ کیا۔ یہ سارا اہتمام محض اس غرض کے لیے کیا گیا کہ خلق کو خالق کی رضا حاصل کرنے اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جو کچھ جاننا چاہیے اس کے بتانے میں کوئی کسر نہ رہ جائے اور لوگ اپنی شرارتوں اور بدعملیوں کا الزام اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر نہ ڈال سکیں۔

جب تک دنیا نے تمدنی و اجتماعی زندگی کے وہ وسائل نہیں پیدا کر لیے کہ ساری دنیا کو ایک داعی حق کی دعوت پر جمع کیا جا سکے اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے الگ الگ قوموں کے اندر رسولوں کا بھیجنا جاری رکھا لیکن جب انبیاء کی تعلیم و تربیت سے قوموں کا اخلاقی شعور اتنا بیدار ہو گیا کہ وہ ایک عالمگیر نظام عدل کے تحت زندگی بسر کر سکیں اور اس کے ساتھ ہی دنیا کے مادی وسائل اجتماع و تمدن نے اس حد تک ترقی کر لی کہ ایک ہادی کا

پیغام ہدایت دنیا کے ہر گوشے میں بسہولت پہنچ سکے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ وہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو وہ مکمل نظام زندگی عنایت فرمائے جو تمام نوع انسان کے مزاج، حالات اور ضروریات کے بالکل مطابق ہو۔ یہی خدائی نظام زندگی ہے جس کو ہم اسلام کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ اپنی روح و مغز کے اعتبار سے وہی دین ہے جس کو تمام انبیاء لے کر آئے۔ صرف بعض اعتبارات سے یہ ان سے مختلف ہے۔ پہلے انبیاء نے عقائد کی تعلیم اپنی قوموں کے استعداد کے لحاظ سے دی تھی، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد کی تعلیم نوع انسانی کے مبلغ ادراک کے لحاظ سے دی۔ دوسرے انبیاء نے جن قوانین کی تعلیم دی ان میں ان کی قوموں کے خاص مزاج اور خاص امراض کی بھی رعایت تھی لیکن اسلام کے قوانین میں صرف مزاج انسانی کا لحاظ ہے۔ دوسرے انبیاء کو جو نظام زندگی خدا کی طرف سے عطا ہوا وہ صرف ان قوموں کی ضروریات کے اعتبار سے تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو نظام زندگی دنیا کو ملا وہ تمام نوع انسانی کی انفرادی و اجتماعی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ تمام عالم کی ہدایت و رہنمائی اور تمام مخلوق پر اتمام حجت کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اور آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایک بعثت خاص دوسری بعثت عام۔ آپ کی بعثت خاص اہل عرب کی طرف تھی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو نبی امی یا نبی عربی کہا گیا اور آپ پر جو وحی نازل ہوئی یا جو دعوت آپ نے دی اس کی زبان بھی عربی ہے۔ اس بعثت کی ذمہ داریاں یعنی تبلیغ اور اتمام حجت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست انجام دیں۔

آپ کی بعثت عام تمام دنیا کی طرف ہے۔ اس بعثت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک امت عطا فرمائی اور اس امت کو یہ حکم دیا کہ رسول نے جس دین حق کی تبلیغ تم پر کی ہے اس کی تبلیغ اسی طرح تم دوسروں پر کرتے رہنا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	اور اسی طرح ہم نے بنایا تم کو وسط شاہراہ پر قائم رہنے والی
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ	امت تاکہ تم لوگوں پر (اللہ کے دین کی) گواہی دو، اور رسول تم

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۔ اللہ کے دین کی گواہی دے۔

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۔ اور میرے پاس اس قرآن کی وحی آئی ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو ہوشیار کروں اور جن کو یہ پہنچے (وہ دوسروں کو ہوشیار کریں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت عام کے مقصد کی تکمیل کے لیے ایک پوری امت کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے برپا کیا تاکہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر بولی میں یہ دعوت حق ہمیشہ بلند ہوتی رہے اور دنیا کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ رہے جہاں کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہونے سے رہ جائے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی اور نبی کی بعثت ہونے والی نہیں تھی اور ہدایت خلق اور اتمام حجت کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لیے آپ کی امت پر ڈالی گئی تھی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کو صحیح حالت میں محفوظ رکھنے کے لیے دو خاص انتظام فرمائے۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کو ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے محفوظ فرما دیا تاکہ دنیا کو اللہ کی ہدایت معلوم کرنے کے لیے کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہے۔ دوسرا یہ کہ اس امت کے اندر جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے، ہمیشہ کے لیے ایک گروہ کو حق پر قائم کر دیا۔ اس طرح کی ایک جماعت (اگرچہ اس کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو) اس امت میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ فتنوں کا زور کتنا ہی ہو لیکن ایک صالح جماعت آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کے علم و عمل کی شمع کبھی گل نہ ہونے دے گی جب ضلالت کا اثر اس امت کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر جائے گا جس طرح دیوانے کتے کے کاٹے ہوئے آدمی کے رگ و ریشہ میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اس امت کے ایک عضو کو اس زہر سے محفوظ رکھے گا۔ یہ لوگ ان تاریک زمانوں میں بھی معروف کی دعوت دیں گے جب دنیا کا خمیر اتنا بگڑ جائے گا کہ معروف منکر بن جائے گا اور اہل بدعت کا اتنا زور ہوگا کہ معروف کے ان داعیوں کی حیثیت اجنبیوں اور بیگانوں کی ہو جائے گی لیکن یہ مخالفتوں کے باوجود اللہ کے رسول اور رسول کے صحابہ کے طریقہ پر قائم رہیں گے اور لوگوں کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کریں گے۔ دنیا کے ہر دور میں اس طرح کی جماعت کو باقی رکھنے سے اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ جس طرح علم وحی کو قرآن کی صورت میں

قیامت تک محفوظ کر دیا گیا ہے اسی طرح اللہ کے رسول اور رسول کے صحابہ کے علم و عمل کو اس جماعت کے ذریعہ سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ اور خلق کی ہدایت اور رسول کی حجت تمام کرنے کے لیے جو روشنی مطلوب ہے وہ کبھی گل ہونے نہ پائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں یہ لوگ پہاڑی کے چراغ ہوں گے جن سے گم کردہ راہ قافلے رہنمائی حاصل کریں گے اور زمین کے نمک ہوں گے جن سے کوئی چیز نمکین کی جا سکے گی

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شہادت علی الناس یا تبلیغ دین محض بطور ایک نیکی اور دینداری کے کام کے مطلوب نہیں ہے اور نہ محض مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کے لیے مطلوب ہے بلکہ آنحضرت صلعم کی بعثت عام کا جو مقصد اس امت کے ہاتھوں پورا ہونا ہے، یہ اس کا مطالبہ ہے جو اللہ کے ہر اس بندے کو ادا کرنا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہے۔ یہ ایک فریضۂ رسالت ہے جو آنحضرت صلعم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ڈالا ہے اور اگر مسلمان اس فرض کی ادائیگی میں ادنیٰ کوتاہی بھی کریں، تو اس فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سرفراز کیا ہے اور اس کوتاہی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خیر امت کے منصب سے محروم کر دے اور دنیا کی گمراہی کا وبال ان کے سر آئے۔ کیونکہ آج خلق پر اتمام حجت کا ذریعہ یہی ہیں اگر یہ اتمام حجت نہ کریں تو دنیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہیوں کے لیے یہ عذر کر سکتی ہے کہ تو نے جن کو شہداء علی الناس بنایا تھا انھوں نے ہمارے سامنے تیرے دین کی تبلیغ نہیں کی ورنہ ہم ان ضلالتوں میں نہ پڑتے۔ اور مسلمان اس الزام کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔

شہادت علی الناس یا تبلیغ عام کی یہ ذمہ داری صرف اتنے سے ادا نہیں ہو سکتی کہ دنیا میں مسلمان نامی ایک گروہ موجود رہے اور نہ ان الٹی سیدھی تدبیروں ہی سے ادا ہو سکتی ہے جن پر پچھلے پرچہ میں ہم تنقید کر چکے ہیں۔ یہ ایک نہایت اہم فریضۂ رسالت کی ادائیگی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کو ان شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے جن شرائط کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو انجام دینے کا حکم دیا ہے اور جن شرائط کے ساتھ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے اس کو انجام دیا ہے۔ یہاں ہم اس کی ادائیگی کی بعض ضروری شرطوں

کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ اس شہادت کی پہلی شرط یہ ہے کہ ہم جس دین حق کے شاہد ہیں، پہلے صدق دل کے ساتھ اس پر خود ایمان لائیں۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جس حق کی دعوت دیتے تھے پہلے اس پر خود ایمان لاتے تھے۔ اپنے آپ کو اس حق سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے (اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ)۔ اس حق پر ایمان لانے کے بعد جو چیزیں اس کے خلاف ہوتی تھیں خواہ وہ آباء و اجداد کا دین ہو، قوم و قبیلہ کی عصبیت ہو، اپنا شخصی اور جماعتی مفاد ہو، سب سے دست بردار ہونے کے لیے وہ سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کرتے تھے اور ان سارے خطرات میں "انا اول المومنین" اور "انا اول المسلمین" کہہ کر خود چھلانگ لگاتے تھے جو اس حق کو قبول کرنے کی وجہ سے سامنے آتے تھے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ آدمی جس حق پر ایمان لایا ہے اس کی زبان سے شہادت دے۔ جو شخص ایک حق پر ایمان لایا ہے اگر اس کو کہہ سکنے کے باوجود نہیں کہتا تو وہ "گونگا شیطان" ہے اور قیامت کے دن اس پر حق کو چھپانے کا وہی جرم عائد ہوگا جو یہود پر عائد ہوا (وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَـتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ الآیۃ)۔ اس معاملہ میں مصلحت بینی جو کچھ بھی ہونی چاہیے وہ نفس حق کے لحاظ سے ہونی چاہیے کہ حق کا اظہار صحیح طریق پر، صحیح محل میں، صحیح مخاطب کے سامنے ہو تاکہ دعوت حق کا تخم بارآور ہو۔ اگر آدمی حق کے سوا محض اپنے ذاتی مفاد کے پیش نظر ایک امر حق کے اظہار سے جی چراتا ہے یا اس سے غفلت برتتا ہے تو یہ یا تو بے حمیتی اور بے غیرتی ہے یا نفاق۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ شہادت عمل سے دی جائے، صرف قول سے نہ دی جائے۔ جن لوگوں کا رویہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتا تھا وہ آپ کے سامنے بسا اوقات قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ لوگ منافق اور جھوٹے ہیں۔ جو شخص ایک امر کو حق مانتا ہے اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے اس کے لیے لازمی ہے کہ اس کا عمل بھی اس کے موافق ہو ورنہ قطع نظر اس سے کہ اس کا یہ وعظ بے عمل بالکل بے اثر رہے گا یہ ایک کھلی ہوئی بے حیائی ہے۔ جس آدمی یا جس گروہ کا رویہ اور مسلک

اس کی دعوت کے خلاف ہے وہ درحقیقت اپنی تردید کے دلائل خود پیش کرتا ہے۔ اور عمل کی دلیل قول کی دلیل سے بہرحال قوی تر ہے اس وجہ سے خود اس کا رویہ اس کے دعوے کے خلاف ایسی حجت ہے کہ اس کے بعد اس کی تردید کے لیے کسی اور حجت کی ضرورت نہیں۔ مسلمان اگر اللہ کے دین کے شاہد ہیں تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس پر ایمان بھی لائیں، اس کی دعوت بھی دیں اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسی پر عمل بھی کریں ورنہ اس شہادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مامور کیا ہے۔ زندگی کے عملی معاملات میں اس سے انحراف کی کوئی شکل جائز نہیں بجز اس کے جو اللہ نے بیان کر دی ہے یعنی یا تو جہالت اور جذبات و شہوات کے غلبہ سے آدمی کا کوئی قدم اس کے خلاف اٹھ جائے یا آدمی اس کے خلاف رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے پہلی صورت کی اصلاح کی تدبیر قرآن نے فوری توبہ بتائی ہے اور دوسری صورت کی تلافی کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی اس جبر سے نکلنے اور دین حق پر عمل کرنے کے لیے جد و جہد کرے۔ اگر توبہ اور اصلاح حال کی جد و جہد کے بجائے آدمی اپنی غلطی ہی کو اوڑھنا بچھونا بنالے اور جس حالت اضطرار میں گرفتار ہو گیا تھا اسی کو دین و مذہب قرار دے بیٹھے تو وہ جس شہادت علی الناس پر مامور کیا گیا تھا اس کی اپنے عمل سے تکذیب کر رہا ہے۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ شہادت ہر قسم کی قومی عصبیت سے بالاتر ہو کر دی جائے۔ نہ کسی قوم کی مخالفت، خواہ اس کی دشمنی ہمارے ساتھ کتنی ہی کھلی ہوئی کیوں نہ ہو، ہمیں اس حق سے منحرف کر سکے جس کے ہم داعی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا الآیہ

اے ایمان والو اللہ کے لیے حق کی شہادت دینے والے بنو اور کسی قوم کی مخالفت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف سے ہٹ جاؤ

اور نہ کسی کی محبت و حمایت کا جذبہ، خواہ ہماری نسبت ان کے ساتھ کتنی ہی قریبی کیوں نہ ہو، ہمیں اس راہ راست سے ہٹا سکے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ الآیہ

اے ایمان والو حق کے برپا کرنے والے بنو اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے اگرچہ یہ تمہارے اور تمہارے والدین اور اقربا کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اس پورے حق کی شہادت دی جائے جو خدا کی طرف سے اترا ہے۔ کسی

ملامت و مخالفت کے اندیشہ سے اس میں سے کوئی چیز کم نہ کی جائے۔ جن چیزوں کی شہادت انفرادی زندگی کے فرائض میں ہے ان کی شہادت افراد دیں گے۔ اور جن چیزوں کی شہادت کے لیے اجتماعی زندگی شرط ہے اس کے لیے افراد کا فرض ہے کہ جماعتی زندگی پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کریں اور جب وہ وجود میں آجائے تو اس کی شہادت دیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (۶۷ - مائدہ)

اے رسول جو (حق) تم پر تمھارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اس (پورے حق) کی تبلیغ کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے خدا کے فرض رسالت کو ادا نہیں کیا (اور مخالفوں کی پروا نہ کرو) اللہ لوگوں کے شر سے تمھاری حفاظت کرے گا۔

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ (احزاب ۳۹)

جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (۴۸ - احزاب)

اور کافروں اور منافقوں کی بات پر دھیان نہ کر ان کی ایذا رسانیوں سے درگذر کر اور اللہ پر بھروسہ کر۔

فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ (الشوریٰ)

پس اسی راہ کی دعوت دے اور اسی پر جا رہ اور ان کی بدعتوں کی پیروی نہ کر اور کہہ دے کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے میں اس پر ایمان لایا ہوں۔

۶۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ جب ضرورت داعی ہو، اللہ کے دین کی شہادت جان دے کر دی جائے۔ یہ شہادت کا سب سے اونچا مرتبہ ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں کو، جنھوں نے اللہ کے دین کو برپا کرنے کے لیے جہاد کیا اور جس حق پر ایمان لائے تھے اس کے حق ہونے کی گواہی تلواروں کی چھاؤں میں بھی دی، ان کو شہید کہا گیا۔ اور غور کیجیے تو ان لوگوں کے سوا نہ اس لقب کا کوئی اور مستحق ہو سکتا ہے اور نہ اس لقب کے سوا کوئی اور لقب ان کے لیے موزوں ہو سکتا۔ اس امت پر شہادت علی الناس کی جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہے اس کو پورا کرنے والے ہزاروں لاکھوں ہو سکتے ہیں اور ان

میں سے ہر ایک اپنی اپنی محنت کا اللہ کے ہاں اجر پائے گا لیکن جنھوں نے اس راہ میں اپنا پورا سرمایۂ زندگی لگا دیا اور اپنے سر دے کر اس حق کی گواہی دی درحقیقت وہی اس بات کے اہل ہیں کہ ان کو شہید کا لقب ملے اور ان کی موت پر ہزاروں لاکھوں زندگیاں نثار ہوں۔

یہ فریضۂ رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پوری امت پر ڈالا گیا ہے اور یہی چیز ہے جس کی وجہ سے اس کو "خیر امت" کہا گیا ہے۔ اگر مسلمان اس فرض منصبی کو بھلا دیں تو یہ دنیا کی قوموں میں سے ایک قوم ہیں، نہ ان کے لیے کوئی خیریت ہے نہ کوئی فضیلت اور نہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پروا ہے کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں یا ذلت کے ساتھ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کیے گئے
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	ہو نیکی کا حکم دیتے ہوئے، برائی سے روکتے ہوئے، اور
وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (۱۱۰ - آل عمران)	اللہ پر ایمان لاتے ہوئے۔

اس جماعتی فرض کو ادا کرنے کی باضابطہ صورت خود اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی یہ ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى	اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو جو لوگوں کو بھلائی
الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ	کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے، اور منکر سے روکے اور یہی
الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۰۴ - آل عمران)	لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلا کام جو کیا وہ یہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک نبوت کے طریق پر خلافت کی بنیاد رکھی۔ یہ ادارہ نیکی کی دعوت، معروف کے حکم اور منکر سے روکنے کا ایک جماعتی ادارہ تھا جو مسلمانوں نے اس لیے قائم کیا کہ اس جماعتی فرض کو انجام دے سکیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کو حق پر استوار رکھنے اور دنیا کو حق کی دعوت دینے کے لیے اس امت پر ڈالا گیا تھا۔ جب تک یہ ادارہ صحیح نہج پر قائم رہا اور اپنے فرائض، امت کے اندر اور امت سے باہر، انجام دیتا رہا ہر مسلمان اس فرض سے سبکدوش رہا جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عائد کیا گیا تھا۔ اس وقت تک تبلیغ کو

فرض ایک فرض کفایہ تھا اور جماعت کا ادارہ اس کو انجام دے کر جماعت کے تمام افراد کو اس فرض کی ذمہ داری سے عنداللہ بری کر دیتا تھا۔

لیکن جس طرح کسی ملک کی حکومت کے درہم برہم ہو جانے کے بعد اس ملک کے ہر باشندے کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری خود اس پر منتقل ہو جاتی ہے اور اس کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ حفظ جان و مال کے اس جماعتی نظم کو وجود میں لانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے جو درہم برہم ہو گیا ہے اور جب تک وہ وجود میں نہ آجائے چین کی نیند نہ سوئے بلکہ اپنے اور دوسروں کے جان و مال کی ساری بربادیوں کی ذمہ داری اپنے اوپر سمجھے اسی طرح مسلمانوں کے لیے یہ بات جائز نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے جماعتی فرض کی ادائگی کے اس ادارہ کے درہم برہم ہو جانے کے بعد چین کی نیند سوئیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اس امت کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے یہاں مسئول اور گنہگار ہوگا۔ جماعتی فرائض کی ادائگی کے لیے جب جماعتی ادارہ باقی نہ رہ جائے تو ان کی ذمہ داری جماعت کے تمام افراد پر ان کے درجہ اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور اس صورت میں اس فرض کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی کی ان کے لیے دو ہی شکلیں باقی رہ جاتی ہیں یا تو اس نظم کو از سر نو وجود میں لائیں یا کم از کم اسکو وجود میں لانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائیں اس کے سوا اور کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔

اس پوری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے:

الف: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام دنیا میں تبلیغ دین کی جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرما کر اللہ کی طرف سے اس کی تکمیل کا کام اپنی امت کے سپرد فرمایا تاکہ یہ امت ہر ملک، ہر قوم اور ہر زبان میں قیامت تک اس دین کی تبلیغ کرتی رہے۔

ب: اس تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط ہے کہ یہ دل سے کی جائے، زبان سے کی جائے، عمل سے کی جائے، بلا تقسیم و تفریق پورے دین کی کی جائے، بے خوف لومۃ لائم اور بے رو رعایت کی جائے، اور اگر ضرورت داعی ہو تو جان دے کر کی جائے۔

ج: اس جماعتی فرض کی ادائگی کا باضابطہ ادارہ خلافت کا ادارہ تھا اور جب تک یہ ادارہ موجود تھا ہر مسلمان اس فرض کی ذمہ داریوں سے سبکدوش تھا۔

د: اس ادارہ کے منتشر ہو جانے کے بعد اس فرض کی ذمہ داری امت کے تمام افراد پر ان کے درجہ اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم ہو گئی۔

ہ: اب اس فرض کی مسئولیت اور ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے دو ہی راہیں مسلمانوں کے لیے باقی رہ گئی ہیں یا تو اس ادارہ کو قائم کریں یا کم از کم اسکو قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائیں۔

و: اگر مسلمان ان میں سے کوئی بات بھی نہ کریں تو وہ اس فرض رسالت کو ادا نہ کرنے کے مجرم ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سپرد کیا گیا ہے اور صرف اپنی ہی غلط کاریوں کا وبال اپنے سر لیں گے بلکہ خلق کی گمراہی کا وبال بھی ان کے سر آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کے لیے اصل محرک درحقیقت اس فرض عظیم کا احساس ہے جو مسلمانوں پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ڈالا گیا ہے۔ اور اس میں جو چیز بطور مطمح نظر اس وقت پیش نظر رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ وہ نظام دعوت خیر پھر وجود میں آجائے جو خلق کو اللہ کے دین کی راہ بتا سکے اور دنیا پر اتمام حجت کر سکے۔ جب تک یہ چیز دنیا میں موجود نہیں ہے ہر مسلمان کا سب سے مقدم، سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ مقصد یہی ہے۔ اسی کے لیے ہر مسلمان کو سونا اور جاگنا چاہیے، اسی کے لیے کھانا اور پینا چاہیے، اور اسی کے لیے مرنا اور جینا چاہیے۔ اس کے بغیر مسلمانوں کی زندگی خدا کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اپنی اس کوتاہی کے لیے کوئی عذر نہ کر سکیں گے۔ یہ چیز ان کی ہستی کی غایت ہے۔ اگر اس کو انھوں نے کھو دیا تو جس طرح وہ تمام چیزیں جو اپنے مقصد وجود کو کھو کر کوڑے کرکٹ میں شامل ہو جاتی ہیں اسی طرح یہ بھی اس زمین کے خس و خاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور ان کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو "امت وسط" یا "خیر امت" کے لقب کا مستحق سمجھیں۔